© rasailojaraid.com

دونوں کے فرق کو دلائل سے واضح کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کمال اختر قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی اور، جناب سید شکیل احمد انور کے مقالات اہمیت کے حامل ہیں۔ البتہ تہذیب وسیاست میں اسلام کے تعمیری کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اگر دعوتی فریضہ اور اس کے رول کا ذکر نہ ہو تو تشنگی محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ دعوت تہذیب کے فروغ کی ضامن بھی ہے اور سیاست کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے مطلوب بھی۔ بہر حال ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری تہذیب و سیاست عقیدے سے مربوط ہے اور عقیدہ ہے اظہار دین کا۔ دنیا End of History اور Clash of Civilization کی خام خیالی میں مبتلا ہے تو رہا کرے، یہ عقیدہ ان شاء اللہ پھر رنگ لائے گا اور موحدانہ نظام قائم ہوگا۔ انتظار اس کا ہے کہ ہم عبادت حقیقی اور ایمان خالص کی شرط کب پوری کرتے ہیں اور دین پر کب عمل پیرا ہوتے ہیں؟ اس 'دین' کی بہترین تشریح مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ نے اپنے کلیدی خطاب میں کی ہے۔ ان کا خطبہ اس اہم موضوع پر متوازن، مدلل اور بھر پور ہے۔ بلکہ اس کے آخری پیراگراف کو اس مجموعہ کا خلاصہ اور اس سیمینار کا پیغام قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس وقت دنیا میں جو سیاسی بے چینی اور اضطراب ہے، طاقت ور قومیں کم زور قوموں کا جس طرح استحصال کر رہی ہیں، امنِ عالم کو جو خطرات لاحق ہیں، اخلاقی قدریں جس طرح پامال ہو رہی ہیں، ان کی وجہ سے یہ احساس بہر حال ابھر رہا ہے کہ ہمارے پولیٹیکل سسٹم میں کوئی خرابی ہے، اسے بدلنا چاہیے۔ کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیے جس میں ان مسائل کا حل ہو، لیکن کوئی متبادل حل ان کے پاس نہیں ہے۔ یہ بتایا نہیں جا رہا ہے کہ جب تک خدا کا خوف نہ ہو، احساسِ ذمہ داری نہ ہو، کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ اسلام اس میدان میں ایک متبادل پیش کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ہمیں اصرار کرنا چاہیے۔ کہیے کہ ہمارے پاس ایک آئیڈیل ہے، ہماری گفتگو سے یہ پہلو ابھرنا چاہیے کہ ہمارے پاس متبادل ہے۔ اس پر دنیا کو غور کرنا چاہیے۔''

ایک بات پر دو جگہ نظر پڑی اور ٹھہر گئی۔ ایک تو جناب اشہد رفیق کے مقالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اور دوسرے افتتاحی کلمات میں ۔ڈاکٹر اشہد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ’’...حسنی مبارک کی اسرائیل نوازی ایران کو کسی طرح گوارا نہ تھی...‘‘ یہ بات انہوں نے ایران سے اخوانی حکومت کے سفارتی تعلقات کی استواری کے ضمن میں کہی ہے ۔آگے مزید لکھا ہے: ’’اس کے نتیجہ میں ایران سے کافی قربت بڑھی‘‘ ۔ پوری تاریخ اور بالخصوص گزشتہ تقریبا ڈیڑھ سو سال کے واقعات کا تسلسل اس پر شاہد ہے کہ عالم اسلام شیعہ، یہود اور نصاریٰ کے پنجۂ استبداد میں جکڑا ہوا ہے۔ تثلیث کے اس مرکب کی سازشیں عیاں ہو جانے کے بعد بھی ایران سے کسی خیر کی امید، چہ جائے کہ تعلقات کی استواری کی بات کی جائے تو عبث معلوم ہوتی ہے۔ ’’ایران سے مرسی کی قربت بڑھی‘‘ یہ وہ پروپیگنڈہ ہے جو اس وقت کے سعودی ارکان حکومت نے کیا۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ شام کے سلسلہ میں مرسی کا موقف مجاہدانہ تھا، جب کہ سعودیہ اور ایران کا یکساں منافقانہ۔ گو مفادات جدا اور مقاصد الگ تھے، لیکن اخوان دشمنی میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ اکتوبر ۲۰۱۴ء کے تیسرے ہفتہ میں خامنہ ای کے اس بیان کے بعد کہ ’’اگر بشارالاسد کو تختِ اقتدار ہٹایا گیا تو اسرائیل کے وجود کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی‘‘، تعلقات کی استواری اور اسرائیل نوازی سے نفرت کی بات کہنا کس قدر بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایران کی طرف سے جامع ازہر اور سیدہ زینب کے علاقہ کو ایرانی انتظام میں دیے جانے کے مطالبہ کا صاف اور دوٹوک انکار کر کے محمد مرسی کی قربت کیسے بڑھ سکتی ہے؟! ہاں یہ ضرور ہے کہ بہت سے لوگوں کی طرح محمد مرسی نے بھی اس ناسور کے اندمال کی وقتی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی کی یہ بات بہت عجیب سی لگی کہ ’’اسلامی تحریکات کی اپنے معاشروں میں رسائی اور نفوذ میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، وہ ہر محاذ پر پیش قدمی کر رہے ہیں۔‘‘ اس ضمن میں انہوں نے جن ممالک کا نام لیا ہے ان میں سرفہرست ایران ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ’’ان کے بڑھتے قدم اور جاری پیش رفت سے اہل کفر واصحاب باطل حیران و پریشان ہیں‘‘۔ اس بیان کو یا تو موجودہ منظر نامہ اور ایران کے مذموم کردار اور تخریبی کارروائیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ناواقفیت پر محمول کیا جا سکتا ہے یا اب بھی ایران کے انقلاب کو شیعی انقلاب نہ تسلیم کرنے پر۔ ایران کی سنی دشمنی، بلکہ اغیار کی اسلام دشمنی میں اس کی قائدانہ شرکت اب کسی پر مخفی نہیں رہی۔ جتنے لوگوں نے اتحاد کی کوششیں کیں انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ معاملہ اتنا واضح ہو چکا ہے اور اس موضوع پر اس قدر لٹریچر وجود میں آچکا ہے کہ اب ایران کے انقلاب کو اسلامی قرار دینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اسے شیعی انقلاب قرار دینے سے احتراز کسی طرح درست نہیں۔

تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کیا کردار رہا؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ دین سے اس کا کیا تعلق ہے؟ عالم انسانیت پر اس کے کیا احسانات ہیں؟ عصر حاضر کے سیاسی مسائل میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ اسلام کی قائدانہ صلاحیت کو کس طرح فروغ دیا جائے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس مجموعہ میں ان تمام سوالات کے جوابات موجود ہیں۔

امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور اس سے بھر پور استفادہ کیا جائے گا۔ (محمد طارق ایوبی)

زندگی کا خزانہ مرتب: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

(اشاریہ زندگی رام پور، زندگی نو، نئی دہلی)

ملنے کا پتا: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۶ئ، صفحات: ۴۰۸، قیمت: ۲۰۰ روپے

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اپنی علمی، دینی اور تحریکی سرگرمیوں اور فقہی مسائل پر اپنی تحریروں کے حوالے سے ہندو پاک میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حال ہی میں اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہونے والی ایک نہایت بیش قیمت اور گراں قدر دستاویزی کتاب 'زندگی کا خزانہ' کو ان کی تصانیف کے ذخیرے میں اہم اضافہ تصور کیا جائے گا۔ یہ دراصل ماہ نامہ 'زندگی' کے مضامین اور تبصروں کا اشاریہ ہے، جو نومبر ۱۹۴۸ سے دسمبر 2015 تک کا احاطہ کرتا ہے۔ موجودہ عہد میں علمی رسائل و جرائد اور کتب کی اشاریہ سازی کو کافی اہمیت دی جاتی ہے اور یہ اہل علم کے درمیان بے حد مقبول بھی ہے۔ اشاریہ کا بنیادی مقصد یہ ہے

© rasailojaraid.com